 © rasailojaraid.com

تحریک حدیث

ڈاکٹر فضل الرحمن

(یہ مقالہ ایک سلسلۂ مقالات کی کڑی ہے - جس کی دو قسطیں پچھلے شماروں میں پیش خدمت کی جاچکی ہیں اور بقیہ قسطیں آئندہ شائع ہونگی - نتیجہ پر پہنچنے سے پہلے مکمل اشاعت کے انتظار کی زحمت فرمائیں -)

دوسری صدی ہجری کے دوران ذخیرۂ احادیث میں برابر اضافہ ہوتا رہا - یہ سارا عرصہ احادیث کی تشکیل اور ان کی حیثیت کی تعیین ، دونوں کے نشو و نما کے لحاظ سے ایک عبوری دور تھا - چنانچہ اس موضوع پر اس دور کے ائمہ میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے - امام اوزاعی رح کے خیال میں حدیث نبوی کے احکام بنیادی طور پر نص قطعی ہیں مگر ان کے نزدیک سنت یا عمل جاریہ میں بھی حجیت کا یہی وصف موجود ہے - اس موضوع پر جو مصادر دستیاب ہوں ان سے پتہ چلتا ہے کہ امام اوزاعی رح کے فقہی استدلال کی سب سے زیادہ مستمر اور مستقل خصوصیت یہ ہے کہ اس میں امت یا اس کے رہنماؤں کے عمل سے بہ کثرت سند لی جاتی ہے - امام مالک رح تعامل اہل مدینہ کی تائید میں حدیث یقیناً پیش کرتے ہیں جو ضروری نہیں کہ مرفوع ہو لیکن عملاً وہ سنت کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں - امام ابو یوسف رح اور امام محمد الشیبانی رح کی بہت تھوڑی فقہی حدیثیں مرفوع ہیں اور یہ صاحبین حدیث کی تعبیر جس آزادی سے کرتے ہیں اس کی مثالیں ہم پچھلے ماہ کے مضمون میں پیش کرچکے ہیں - اہل عراق اپنی فقہ میں حدیث نبوی کی اہمیت کو پورے طور پر تسلیم کرتے ہیں لیکن ان کے نزدیک اس سے فقہی مسائل کے استنباط کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کی تعبیر و تاویل میں زمانی و مکانی مقتضیات کو پوری طرح ملحوظ رکھا جائے -

امام ابو یوسف رح اپنی کتاب ’’ الردّ علی سیر الاوزاعی ‘‘ میں صرف ایک مسئلہ میں امام ابو حنیفہ رح کی رائے کو ترک کرکے حدیث کی بناء پر امام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اوزاعیؒ کی رائے اختیار کرتے ہیں حالانکہ اگر وہ چاہتے تو اس حدیث کی تعبیر اپنی رائے کے موافق کرسکتے تھے ۔ مسئلہ زیر بحث یہ ہے کہ جو شخص جہاد کے لئے ایک گھوڑا مہیا کرے اسے اپنے حصہ کے علاوہ مال غنیمت سے اور کتنا زیادہ حصہ ملنا چاہئے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ مال غنیمت میں سے گھوڑے کو اس حصہ کا دوگنا ملتا تھا جو خود سوار کو دیا جاتا تھا اور غالباً اس عمل کی ابتداء خود رسول اللہ صلعم سے ہوئی تھی جو ابتدائے اسلام میں جہاد میں سواری کے لئے استعمال کئے جانے والے جانوروں کی قلت کے پیش نظر گھوڑوں کی افزائش کی جانب لوگوں کو راغب کرنا چاہتے تھے ۔ واقعہ یہ ہے کہ اس امر کی شہادت موجود ہے کہ مشرکین عرب کے خلاف اپنی جدوجہد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معاملہ کی کافی فکر تھی ۔ اس کے برخلاف امام ابو حنیفہؒ کی نظر میں یہ بات نامناسب تھی کہ انسان کے مقابلہ میں جانور کے ساتھ ترجیحی سلوک کیا جائے (۱) ۔ اور ان کی تائید میں حضرت عمرؓ کی ایک نظیر بھی موجود تھی کیونکہ حضرت عمرؓ نے شام کی ایک جنگ میں مال غنیمت کی ایسی تقسیم کو پسند فرمایا تھا جس کی رو سے مجاہدین کو بھی ایک ایک حصہ ملا اور گھوڑوں کا بھی ایک حصہ دیا گیا (۲) ۔ ہمیں معلوم نہیں کہ دوسری صدی ہجری میں مال غنیمت کے اس حصہ کی تقسیم کس طریقہ پر عمل میں آتی تھی۔ اغلب یہ ہے کہ مختلف علاقوں کے مسلمانوں کا عمل اس بارے میں مختلف تھا ۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اس مسئلہ میں جس امر کو فیصلہ کن اہمیت حاصل ہونی چاہئے وہ گھوڑوں کی قلت یا عدم قلت ، گھوڑے کی نسلی خصوصیات، جنگی گھوڑے پالنا، ان کی دیکھ بھال، اور اسی قسم کے دیگر مسائل ہیں ۔ لیکن امام اوزاعیؒ قطعیت کے ساتھ دعویٰ کرتے ہیں کہ نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے کو سوار کی بہ نسبت دوگنا حصہ دیتے تھے بلکہ مسلمان اب بھی اسی طریقہ پر عمل پیرا ہیں ۔ امام ابو یوسفؒ جو عموماً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین کے قائم کردہ نظائر کی تعبیر میں وسعت نظر سے کام لیتے ہیں اور ان میں تنگی پیدا کرنے سے محترز رہتے ہیں، وہ خاص اس معاملہ میں اپنے استاد کے موقف کو اس بناء پر ترک کردیتے ہیں کہ امام اوزاعیؒ کے نقطہ نظر کی تائید میں رسول اللہ صلی اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علیہ وسلم اور بعض صحابیوں کی کچھ حدیثیں ملتی ہیں (۳) ۔

مذکور بالا تنقیح سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ زندہ اور جاری سنت کے بالمقابل (جس کی روح رواں آزادانہ اور ترقی پذیر تعبیر و تاویل تھی) حدیث کا اثر و نفوذ بڑھ رہا تھا ۔ یہی وہ پس منظر تھا جس میں تحریک حدیث کے قائد اول حضرت امام شافعیؒ نے زندہ اور جاری سنت کی جگہ حدیث کو دینے کی کامیاب مہم چلائی، جس کو اختصار کے ساتھ ہم نے اس سلسلۂ مقالات کے حصۂ اول میں بیان کیا ہے ۔ امام شافعیؒ نے حدیث اور اس کی آزادانہ تعبیر و تاویل کی بابت جو نقطۂ نظر اختیار کیا ہے اسے ہم دو مثالوں سے واضح کریں گے جن سے اس تبدیلی کی نوعیت اور اس نئے میلان کی کیفیت کا اندازہ ہوسکے گا جو مسلمانوں کی فقہی فکر میں رونما ہو رہا تھا ۔

مختلف فقہائے اسلام کے مابین اس سوال پر اختلاف تھا کہ حالت جنگ میں غیر مسلموں کے ساتھ کس حد تک سختی برتی جا سکتی ہے ۔ اس وقت اس قسم کے مسائل درپیش تھے کہ آیا دشمن کے مویشی کو مار ڈالنا اور ان کے درختوں کو کاٹ ڈالنا درست ہے یا نہیں؟ یا دشمن کے علاقہ میں کسی چیز کی برآمد جائز ہے یا نہیں، خصوصاً اگر وہ چیز جنگی سامان کی تعریف میں آتی ہو؟ اگر اپنی حفاظت اور بچاؤ کے لئے دشمن، مثال کے طور پر، مسلمان بچوں کو سامنے کردے، تو ان پر وار کیا جاسکتا ہے یا نہیں ؟ آیا دشمن کو اس کی اجازت دی جانی چاہئے کہ وہ فدیہ دے کر اپنے قیدیوں کو رہا کرالے؟ آیا وہ مسلمان سپاہی جو کسی جنگ کے دوران بالکل غیر مسلح ہوں بلا اجازت مسلمانوں کے اسلحہ خانے سے ہتھیار لے سکتے ہیں؟ (۴) ۔ ان تمام مسائل میں امام ابو حنیفہؒ ایسے متبادل طریقے تجویز کرتے ہیں جو جنگ میں مسلمانوں کی کامیابی کے موجب ہوں اور مسلمانوں کی طاقت میں ضعف پیدا کرنے کا سبب نہ بن جائیں ۔ مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان تمام امور میں امام ابو حنیفہؒ کا فقہی مذہب غیر مسلموں کے لئے غیر مصالحانہ روش اور نسبتاً سخت گیر حکمت عملی کی طرف مائل ہے ۔ امام صاحب کے پیش نظر ایک ہی رہنما اصول ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی جنگی مصلحتوں اور ان کی فتح کے امکانات کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی طرح زک نہ پہنچے ۔ ان میں سے پہلے مسئلہ پر جب کہ امام ابو حنیفہ رحہ اپنے مسلک کی تائید نص قرآنی سے کرتے ہیں، امام اوزاعی رحہ جو جملہ امور مندرجہ بالا میں امام ابو حنیفہ رحہ کے مسلک کے مخالف ہیں، کوئی حدیث نبوی پیش کرنے کے بجائے صرف ان ہدایات پر اعتماد کرتے ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت ابو بکر رض نے اہل فوج کے نام جاری کی تھیں، یعنی یہ کہ وہ درخت نہ کاٹیں اور مویشی کو جان سے نہ ماریں وغیرہ وغیرہ ۔ امام ابو یوسف رحہ ان تمام امور میں اپنے استاد کے مسلک کی حمایت کرتے ہوئے امام اوزاعی رحہ پر طنز کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے مفاد کو نظر انداز کر رہے ہیں (۵) ۔ اور ساتھ ہی حضرت ابو بکر رض کی مبینہ ہدایات کی صحت کو تاریخی حیثیت سے مشکوک قرار دیتے ہیں اور اپنی رائے کی تائید میں بنو قریظہ کا واقعہ پیش کرتے ہیں جہاں مسلمانوں نے دشمن کے ساتھ کسی قسم کی نرمی نہیں برتی ۔ اسی مسئلہ کی نسبت اہل مدینہ میں سے ایک نے جس کے فقہی مذہب کی رو سے حضرت ابو بکر رض کی مذکورہ بالا ہدایات کے مطابق دشمن کی جائداد کو ضائع کردینا جائز نہیں تھا، امام شافعی رحہ سے ان کی رائے دریافت کی (۶) ۔ اس کے جواب میں امام شافعی رحہ بالکل صاف اور غیر مشتبہ طور پر دشمن کی جائداد کو ضائع کردینے کی حمایت کرتے ہیں لیکن جانوروں کو اس سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں ۔ وہ بنو نضیر، خیبر، اور طائف کے غزوات کے واقعات سے استدلال کرتے ہیں کہ ان موقعوں پر رسول اللہ صلعم نے دشمنوں کی جائداد کو ضائع کردیا تھا ۔ چنانچہ امام شافعی رحہ دعویٰ کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم کی سنت یہی رہی ہے (۷) ۔ امر واقعہ یہ ہے کہ بنو نضیر اور خیبر کے یہودیوں کی نسبت رسول اللہ صلعم نے خاص طور پر سخت تدابیر اختیار کیں اور تاریخی واقعات سے بجز اس کے کوئی نتیجہ نکالنا ممکن نہیں کہ یہودیوں کے معاندانہ رویہ نے اس طرز عمل کو ناگزیر بنادیا تھا ۔ در اصل غالب احتمال اس امر کا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام یہودیوں کا اخراج عمل میں لانا چاہتے تھے ۔ زمانہ مابعد میں اس خیال کو ایک حدیث کی شکل میں قطعی طور سے بیان کیا گیا، حالانکہ یہ حدیث تاریخی حیثیت سے ناقابل قبول ہے کیونکہ ان ہی مجموعہ احادیث میں یہودیوں کے اخراج کو حضرت عمر رض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی جانب بھی منسوب کیا گیا ہے۔ جہاں تک طائف کا تعلق ہے وہ مشرکین عرب کا مسلمانوں کے خلاف آخری مورچہ تھا اور فتح مکہ کے بعد بھی یہاں کے مشرک برابر مسلمانوں کا مقابلہ کرتے رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے مشرکین کے خلاف سخت ترین تدابیر اختیار کیں، اور کہا جاتا ہے کہ آپ نے منجنیق سے طائف پر پتھر بھی برسائے۔

مندرجہ بالا تنقیح سے مسئلہ زیر بحث پر بہت روشنی پڑتی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحہ اور امام شافعی رحہ دونوں اس مسئلہ میں ایک ہی موقف اختیار کرتے ہیں، مگر جن وجوہ کی بنا پر وہ ایسا کرتے ہیں وہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحہ مصالح جنگ کو پیش نظر رکھتے ہوئے قرآن سے تائیدی دلائل تلاش کرتے ہیں لیکن امام شافعی رحہ نص حدیث اور ان کے ظاہری معنوں کی بناء پر رائے قائم کرتے ہیں اور صورت حالات کے مقتضیات کا بالکل لحاظ نہیں کرتے۔ امام اوزاعی رحہ اہل مدینہ کی طرح مسلمانوں کے عمل جاریہ کو اس امر کی ایک دلیل قرار دیتے ہیں کہ اس بارے میں رسول اللہ صلعم کی سنت یہی رہی ہوگی۔ نہ امام اوزاعی رحہ، نہ اہل مدینہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات بنو نضیر، بنو قریظہ، خیبر و طائف سے استدلال کرتے ہیں۔ لیکن جانوروں کو جان سے مارنے کے مسئلہ پر امام شافعی رحہ کا موقف امام اوزاعی رحہ کے بالکل مماثل ہے۔ مگر یہاں بھی دونوں کی وجوہات بالکل مختلف ہیں۔ امام اوزاعی رحہ حضرت ابو بکر رض کی ہدایات کو بنائے استدلال قرار دیتے ہیں اور امام شافعی رحہ اس حدیث سے استنباط کرتے ہیں جس میں غذائی ضروریات کے علاوہ کسی اور غرض کے لئے جانوروں کو جان سے مارنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ لیکن اس بارے میں لائق توجہ یہ امر ہے کہ اس حدیث سے نہ تو امام اوزاعی رحہ واقف نظر آتے ہیں نہ امام ابو یوسف رحہ۔

اس لئے میلان کی، جس کی نمائندگی امام شافعی رحہ کرتے ہیں، دوسری مثال ولایت کا مسئلہ ہے، یعنی نکاح کے لئے ولی کی موجودگی کی شرط۔ ولایت کا رواج اسلام سے پہلے بھی رہا ہوگا کیوں کہ رسول اللہ صلعم کی بعض احادیث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور دوسرے اشخاص کے بیان میں اس کا ذکر ہے۔ ایک حدیث کی رو سے ولی کی موجودگی صرف باکرہ کے نکاح کی صورت میں ضروری ہے۔ ثیبہ کے نکاح کے لئے ولی کی کوئی حاجت نہیں۔ لیکن ایک دوسری حدیث کے مطابق ولی کی موجودگی کے بغیر نکاح جائز نہیں۔ حضرت عمرؓ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے عورتوں کو حکم دیا تھا کہ وہ ولی یا کسی بزرگ خاندان یا کسی حاکم کی اجازت کے بغیر نکاح نہ کریں۔ اہل مدینہ میں سے ایک نے امام شافعیؒ سے کہا کہ ہم اور ہمارے اصحاب ولی کی موجودگی کو صرف شریف النسب عورتوں کے لئے ضروری قرار دیتے ہیں لیکن نیچ ذات کی عورتوں کے لئے اسے ضروری نہیں سمجھتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس طرز عمل کے پس پشت یہ تصور کارفرما تھا کہ ولی کی موجودگی سے معاشرہ کی نگاہ میں نکاح کو ایک رسمی توقیر حاصل ہوجاتی ہے، جو نیچ ذات کی عورتوں کے لئے ضروری نہیں سمجھی جاتی۔ امام شافعیؒ اس شخص کو جواب دیتے ہیں کہ "اگر تم سے کوئی شخص یہ کہے کہ میں نیچ ذات کی کسی عورت کو بغیر ولی کے نکاح کی اجازت نہیں دے سکتا کیونکہ اس کے لئے غلطی کا ارتکاب کرکے برائی میں پھنس جانا زیادہ قرین قیاس ہے، بہ نسبت ایک شریف النسب عورت کے، جس کو اپنی شرافت خاندانی کا پاس ہو، تو تم کیا خیال کروگے؟ کیا ایسا شخص تمھاری نسبت حق سے قریب تر نہ ہوگا؟ تمھاری رائے اس بارے میں اتنی غلط ہے کہ اس کی تردید کی بھی حاجت نہیں" (۸)۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کو بہر حال تسلیم کرنا پڑے گا اور اس کے بارے میں نہ تو شریف اور رذیل میں کوئی امتیاز کیا جاسکتا ہے، نہ اس کی تعلیل کی جاسکتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ولی کی اجازت کے بارے میں امام شافعیؒ کے ذہن میں عزت و شرافت نسبی کے امتیازات کا تصور غالب نہیں بلکہ ان کے نزدیک عورت کے برائی سے بچے رہنے اور نکاح کی معاشرتی ضمانت کی مصلحتیں مقدم ہیں۔ اس امر کے باوجود کہ امام شافعیؒ اس حکم کی علت کی نشاندھی کرتے ہیں وہ درحقیقت مسلمانوں کو اس قسم کے عقلی استدلال کے خطرات سے متنبہ کرتے ہیں اور حدیث کو سن و عن تسلیم کرلینے کی رائے دیتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحریک حدیث، جو ایک باضابطہ علم کی حیثیت سے اسلام کے مذہبی نظام کی ہیئت ترکیبی میں ایک نئی تبدیلی کی نمائندہ تھی اور جس کا ایک اہم سنگ میل فقہ اور فقہی حدیث کے دائرہ میں امام شافعیؒ کی علمی جدوجہد تھی، اپنی فطرت کے اعتبار سے اس امر کی بڑی متقاضی تھی کہ حدیث میں مسلسل توسیع ہوتی رہے اور نئے حالات کے رونما ہوتے ہی تازہ مسائل سے نمٹنے کے لئے، خواہ ان کی نوعیت معاشرتی ہو، یا اخلاقی، یا مذہبی، نئی احادیث منظر عام پر آتی جائیں۔

ان تمام اصناف علم کا، جن میں نئی احادیث کا ظہور عمل میں آیا اور ان تمام نقاط نظر کا، جن کو ان احادیث سے تقویت ملی، تفصیلی جائزہ لینا اس سلسلۂ مقالات کے موضوع سے خارج ہوگا۔ لیکن ذیل کی مثالوں سے تشکیل حدیث کی نوعیت اور اس کی وسعت کا اندازہ کیا جاسکے گا۔

یہ ایک معلوم حقیقت ہے اور قدماء محدثین خود اسے تسلیم کرتے ہیں کہ اخلاقی امثال، پند و نصائح اور جوامع الکلم کو رسول اللہ صلعم کی جانب منسوب کر دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھا گیا، خواہ اس نوع کا انتساب تاریخی حیثیت سے درست ہو یا نا درست۔ صرف فقہی احادیث یا ایسی احادیث کے بارے میں جو عقائد سے متعلق ہوں یہ ضروری خیال کیا جاتا تھا کہ ان کا سلسلۂ روایت واقعتہً پوری صحت کے ساتھ رسول اللہ صلعم تک پہنچنا چاہئے۔ اس سلسلہ میں قابل غور امر یہ ہے کہ ایک بار تاریخی صحت و استناد کے اصول کو کسی سطح پر بھی ترک کر کے اگر عدم تاریخیت کے "اصول" کو مان لیا جائے، تو آخر الذکر "اصول" کو کسی خاص دائرہ تک محدود رکھنا ممکن نہیں، تو دشوار ضرور ہو جاتا ہے۔ اگر کسی شخص کا خیال یہ ہو کہ چونکہ کسی مقولہ میں صداقت پائی جاتی ہے اس لئے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کر دینے میں کوئی حرج نہیں تو پھر اس کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ قانونی اصول موضوعہ کو، جو ممکن ہے کسی شخص کی نظر میں اخلاقی قدر و قیمت رکھتے ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب کیوں نہ منسوب کیا جائے جب کہ قانون نام ہی اس کا ہے کہ اخلاقی اصولوں کو ایک متعین شکل میں ڈھال دیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائے۔ احادیث کا بیشتر حصہ درحقیقت قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی سنت جاریہ ہے، جس کی نسبت انہوں نے اپنے ذاتی اجتہاد سے کام لیا تھا۔ اس اجتہاد کا نقطہ آغاز فقہاء کی اپنی شخصی اور انفرادی رائے تھی۔ لیکن مرور وقت کے ساتھ الحاد و بیدینی کے رجحانات، نیز غلات کے خلاف ایک زبردست کشمکش کے بعد، اسے اجماع کی سند حاصل ہوگئی، یعنی امت کے سواد اعظم نے اسے تسلیم کر کے اس کی پابندی قبول کرلی۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہئے کہ زمانۂ ماسبق کی زندہ اور جاری سنت حدیث کے آئنہ میں عکس پذیر ہوئی مگر اس فرق کے ساتھ کہ اس میں راویوں کے سلسلۂ اسناد کا اضافہ ہوگیا لیکن اس جزوی فرق کے علاوہ ایک اہم اور بنیادی فرق یہ پیدا ہوا کہ جہاں سنت بڑی حد تک اور بنیادی طور پر عمل سے متعلق تھی، کیونکہ وہ مسلمانوں کے کردار اور عملی طور و طریق کے معیاروں کا تعین کرتی تھی، وہاں حدیث نہ صرف فقہی اور قانونی معیاروں کے قیام کا ذریعہ بن گئی بلکہ عقائد اور اصول دین پر بھی موثر ہونے لگی۔ اس کی توضیح کے لئے ہم یہاں چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

اس مضمون کی پچھلی قسط میں ہم نے امام ابو یوسفؒ کے متعلق کہا تھا کہ انہوں نے مسلمانوں کو حدیث کے بارے میں محتاط رہنے کی تنبیہ کی تھی۔ ان میں سے بعض تنبیہات خود جناب رسالتماب کی جانب منسوب کی گئی ہیں۔ اور ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ اس امر کا غالب احتمال ہے کہ مخالف حدیث احادیث ان احادیث سے زمانۂ ما قبل کی ہیں جن میں حدیث کی تائید و موافقت پائی جاتی ہے۔ سب سے پہلی حدیث جو ہمیں حدیث کی تائید میں ملتی ہے امام شافعیؒ نے روایت کی ہے وہ یہ ہے: —

اخبرنا سفیان عن عبد الملک بن عمیر عن عبدالرحمن بن عبداللہ بن مسعود عن ابیه انّ النبی صلی اللہ علیه وسلم قال نضراللہ عبداً سمع مقالتی فحفظها ووعاها واداها فرب حامل فقه غیر فقیه ورب حامل فقه الی من هوافقه منه۔ ثلاث لا یغل علیهن قلب مسلم: اخلاص العمل للہ والنصیحة للمسلمین، ولزوم جماعتهم فانّ دعوتهم تحیط من ورائهم (۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا اس آدمی کو فارغ البال رکھے جو میرے الفاظ کو سنتا ہے پھر انہیں اپنے حافظہ میں محفوظ کر لیتا ہے پھر انہیں دوسروں تک پہنچاتا ہے اور بہت سے لوگ جو دین کی باتیں دوسروں تک پہنچاتے ہیں خود تفقہ فی‌الدین سے عاری ہوتے ہیں اور بہت سے لوگ جن تک یہ باتیں پہنچتی ہیں زیادہ فہم دین رکھتے ہیں - تین چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں مسلمان کبھی دل کی تنگی محسوس نہیں کر سکتا : اللہ کے کام کا مخلصانہ جذبہ ، مسلمانوں کی خیرخواہی ، اور جماعت کے ساتھ وابستگی کیونکہ ان کی دعوت انہیں گمراہی سے محفوظ رکھتی ہے -)

ایک اور روایت جو امام شافعی رح نے رسول اللہ صلعم سے روایت کی ہے یہ ہے :-

قال النبی صلعم لا ألفین احد کم متکئا علی اریکته یأتیه
الامر من أمری مما نہیت عنه أو أمرت به فیقول ماندری ،
ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ - (۱۰)

(رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جب میں کوئی حکم دوں اور کسی بات کے کرنے کی ہدایت کروں یا کسی کام سے منع کروں ، تو ایسا ہرگز نہ ہو کہ تم اپنی گدی پر (مزے سے) تکیہ لگائے بیٹھے رہو اور کہو کہ ہم یہ سب نہیں جانتے ، ہم تو صرف اسی چیز کی پیروی کریں گے جو اللہ کی کتاب میں لکھا پائیں گے) آخیر میں ایک اور حدیث آتی ہے جس میں رسول‌اللہ صلعم فرماتے ہیں:-

"وحدثوا عنی بنی اسرائیل ولا حرج وحدثوا عنی
ولا تکذبوا علی" - (۱۱)

(بنی اسرائیل سے حدیث روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں اور مجھ سے بھی روایات بیان کرو لیکن مجھ پر جھوٹ نہ لگاؤ) - امام شافعی رح اپنی روایت کردہ احادیث میں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے پہلی حدیث سے اجماع پر استدلال کرتے ہیں جس پر ہم ذیل میں بحث کریں گے - یہاں ہم ایک عام اصول پیش کرتے ہیں ، یعنی ایسی حدیث کی نسبت جس میں آئندہ واقعات کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بارے میں صراحۃً یا ضمناً پیشین گوئی کی گئی ہو مسامحہ تاریخی وجوہ کی بناء پر یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا سلسلۂ روایت رسول اللہ صلعم تک منتہی ہوتا ہے بلکہ سمجھا یہ جائے گا کہ وہ زمانۂ مابعد میں ظہور پذیر ہوئی جب کہ وہ واقعہ پیش آیا جس کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ ہم تمام پیشین گوئیوں کو مسترد نہیں کرتے بلکہ صرف ان کو مسترد کرتے ہیں جن میں بڑی حد تک تعین پایا جاتا ہے۔ اس اصول کو خود قدماء محدثین نے تسلیم کیا ہے لیکن ہم بہ ادب عرض کریں گے کہ انہوں نے اس کا اطلاق سختی کے ساتھ نہیں کیا جیسا کہ تاریخیت کے اصول کی بناء پر انہیں کرنا چاہئے تھا۔ ہمارے محدثین ایسی تمام حدیثوں کو تو مسترد کر دیتے ہیں جن میں مطلق تعین کے ساتھ آئندہ کے کسی واقعہ کا ذکر ہو، یعنی جن میں مستقبل کا کوئی مخصوص دن یا تاریخ یا جگہ مذکور ہو۔ مسلمانوں کے کلامی فرقوں اور سیاسی گروہوں یا جماعتوں کے متعلق احادیث میں جن میں پیشین گوئیوں کا ذکر ہے۔ انہیں وہ بلا کسی پس و پیش کے صحیح مان لیتے ہیں۔ جمہور امت کو اب اس امر کا فیصلہ کرنا چاہئے کہ ٹھوس تاریخی شواہد کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں ایسی احادیث کی صحت کو تسلیم کرنا چاہئے یا نہیں ؟ - اور اگر انہیں تسلیم کیا جائے تو کہاں تک؟- یہ ضرور ہے کہ ایک قسم کی پیشن گوئی خود قرآن حکیم میں موجود ہے مثلاً سورۂ روم کی اس آیت میں :-

غلبت الروم في ادنى الارض وهم من بعد غلبهم سيغلبون في بضع سنين

(یعنی اس وقت تو رومی ایرانیوں سے مغلوب ہو گئے، مگر چند ہی سالوں میں وہ اپنے دشمنوں پر غلبہ پالیں گے) ۔ اس قسم کی پیشین گوئی یقیناً قرین عقل ہے کیونکہ جب عام انسان اپنی دانش و بینش اور تاریخی بصیرت کی بناء پر ایسے واقعات، مثلاً جنگوں یا معاشی کساد بازاری کے متعلق کامیاب پیشین گوئی کر سکتے ہیں تو عقل الٰہی بدرجہ اولیٰ ایسی پیش گوئی پر قادر ہے۔ مگر ہم بتائیں گے کہ جو پیشین گوئیاں احادیث میں صراحتاً یا ضمناً ہیں وہ اس نوع کی نہیں ہیں۔ ہم اس مقالے کی اگلی قسط میں مثالوں سے یہ واضح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرینگے کہ حدیث کا کام تاریخ نویسی نہیں بلکہ تاریخ سازی بن گیا تھا ۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حدیث کی شکل میں معاصرانہ واقعات کو ماضی کی طرف پھیر دیا جانے لگا تاکہ اس کے ذریعہ امت مسلمہ کی زندگی کو ایک مخصوص روحانی ' سیاسی ' اور معاشرتی نمونہ پر ڈھالا جا سکے ۔ ہم اس امر پر ایک مرتبہ پھر زور دیں گے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنے والے واقعات کے بارے میں پیشین گوئی کی قدرت کے ہرگز منکر نہیں اور یہ انکار کیسے ممکن ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تاریخی عوامل کے عمل و رد عمل کے بارے میں ملہمانہ بصیرت حاصل تھی ؟ بلکہ ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی بڑی دلیل یہ ہے کہ تاریخ میں جو مختلف اور متصادم قوتیں باہم بر سر پیکار تھیں ان پر وہ ایک عمیق بصیرت رکھتے تھے اور اس بصیرت کو انھوں نے منزل من اللہ اخلاقی نظام کو ترقی دینے اور اسے کامیاب بنانے لئے استعمال کیا تھا ۔ لیکن اس عظیم تاریخی بصیرت اور اس سے پیدا ہونے والی پر عزم قوت فیصلہ میں ' اور اس قسم کی پیش گوئی میں ، جو مثلاً مسیلمہ کذاب کے خروج یا معتزلہ ' خوارج ' اور شیعہ فرقوں کے ظہور سے متعلق حدیثوں میں پائی جاتی ہے ' زمین و آسمان کا فرق ہے ۔

لیکن پیشن گوئی والی احادیث سے مراد صرف وہ احادیث نہیں جن میں صراحتاً کوئی پیشین گوئی ہو' بلکہ وہ حدیثیں بھی مراد ہیں جن میں بالوسطہ یا ضمناً کوئی پیشین گوئی کی گئی ہو ، مثلاً یہ حدیث :

القدریۃ مجوس ھذا الامۃ

(قدریہ ، یعنی وہ لوگ جو انسانی اختیار و آزادی کے قائل ہیں ' امت مسلمہ کے مجوس ہیں) اگرچہ اس حدیث کی نوعیت ایسی ہے کہ اس میں صراحتاً کسی آنے والے واقعہ کی خبر نہیں دی گئی ۔ لیکن ضمناً اس حدیث میں مسلمانوں کے قدریہ اور جبریہ فرقوں کے تنازعات ' جبرو قدر کے فلسفیانہ مسئلہ کا علمی شعور ' دوسری صدی ہجری کے فلسفیانہ ماحول ' اور اس کے داخلی اور خارجی عوامل ۔ ان سب آنے والے واقعات کا عکس نظر آتا ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس اصول کی روشنی میں، جو ہم نے ابھی قائم کیا ہے - امام شافعی رحمۃ کی تینوں مذکورہ بالا احادیث جن سے تحریک حدیث کی تائید ہوتی ہے، تاریخی حیثیت سے انتہائی مشکوک قرار پاتی ہیں - پہلی حدیث کو لیجئے - اس بدیہی امر کے علاوہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابیوں کے متعلق یہ فرمانا، جیسا کہ حدیث کے پہلے حصہ میں بیان کیا گیا ہے، کہ وہ بعد میں آنے والوں کی نسبت تفقہ کی صفت سے محروم تھے، ان کی تذلیل و اہانت کے مترادف ہے - یہ حدیث صرف اس زمانے میں ظہور پذیر ہو سکتی تھی، جب کہ مسلمانوں میں اعلیٰ درجہ کی فقہی ذہانت پیدا ہوئی اور عالم اسلام میں از مصر تا عراق فقہی آراء کے بہترین مذاہب نشو و نما پانے شروع ہوئے - علاوہ ازیں یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابیوں کا ایک ایسا مرقع پیش کرتی ہے، جو سرتاپا مصنوعی ہے - رسول اللہ صلعم کو یہاں اس طرح کی تقریریں اور بیانات کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے، جن کا عہد رسالت کے مسلمانوں کی فوری ضروریات سے کوئی علاقہ نہ تھا بلکہ جن کا مقصد یہ معلوم ہوتا تھا کہ امت انہیں لفظ بہ لفظ اپنے ذہنوں میں محفوظ رکھے تاکہ آئندہ نسلوں تک انہیں منتقل کیا جا سکے، کیونکہ وہی ان کے مفہوم کو بہتر طور پر سمجھ سکیں گی - اس طرح دوسری حدیث بھی تحقیق کے معیار پر پوری نہیں اترتی، کیونکہ وہ اس مفروضہ پر قائم ہے کہ کچھ ایسے لوگ بھی عہد رسالت میں موجود تھے جن کے نزدیک صرف قرآن کو مان لینا کافی تھا اور سنت کاملاً مسترد کر دینے کے لائق تھی، اور یہ کہ قرآن و سنت کے مابین کوئی باہمی ربط و علاقہ نہیں پایا جاتا حالانکہ ہم اس سلسلۂ مقالات کی پہلی قسط میں بتا چکے ہیں کہ صحابۂ کرام کی جانب اس عقیدہ کو منسوب کرنے کا نہ تو کوئی جواز ہے، نہ یہ عقلاً قرین احتمال ہے کہ وہ ایسے عقیدے کے حامل ہوں گے - بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ صحابۂ کرام جنہوں نے رسول اللہ صلعم کی سند پر قرآن مجید کو کلام الٰہی تسلیم کر لیا تھا ان کی سند پر سنت کا من حیث المجموع انکار کر دیتے؟ یہ اور بات ہے کہ کبھی کبھی کسی حلقہ سے رسول اللہ صلعم کے کسی مخصوص فیصلہ کے خلاف لوگوں نے دبی دبی آواز میں لب کشائی کی جرأت کی ہو - چونکہ زیر بحث حدیث میں قرآن کے بالمقابل سنت کو کامل طور سے مسترد کر دینے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا تصور پایا جاتا ہے ۔ اس لئے یہ حدیث صاف طور پر اس دور کی پیداوار ہے جب کہ تحریک حدیث کا آغاز ہو چکا تھا اور یہ تحریک زندہ اور جاری سنت کی جگہ ' سنت نبوی کی تنہا اور منفرد نمائندگی کی مدعی تھی ' اور ابتدائی فقہی مذاہب اور اہل کلام اس کے اس دعوی کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہ تھے ۔ الغرض حدیث مذکور میں نمایاں طور پر پیش گوئی کی کیفیت پائی جاتی ہے۔جہاں تک امام شافعیرح کی تیسری حدیث کا تعلق ہے جس میں کہا گیا ہے کہ بنی اسرائیل سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ میری طرف غلط روائتیں منسوب نہ کی جائیں ' اس کی صورت بھی یہی ہے ۔ بعض تبدیلیوں کے ساتھ یہ حدیث صحیح بخاری میں محفوظ رہ گئی ہے لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے اساطیر اور افسانے ابتدائے اسلام ہی سے نفوذ کرنے لگے تھے ' خاص طور پر ان مقبول عام واعظوں کی سرگرمیوں کی بدولت جنہیں قصاص کہا جاتا ہے اور جو اپنے مواعظ کو ہر ممکن طریقے سے پرتاثیر بنانے کی کوشش میں لگے رہتے تھے ۔ اس تحریک پر بعض ابتدائی روایات میں اعتراضات کئے گئے ہیں ' مثلاً ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمررض نے یہودیوں کی بعض روایات کو قبول کر لینے کی حمایت کی لیکن رسول اللہ صلعم نے اس کی سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی (۱۲) ۔ ایک اور روایت میں مسلمانوں کو فہمائش کی گئی ہے کہ مقبول عام واعظوں کے جلسوں سے نہیں ' بلکہ فقہا کی مجالس سے علم حاصل کرو ۔ (۱۳) جب یہ کوشش شروع ہوئی کہ اس قسم کی روایات کو روکا جائے جنہیں بعد میں چلکر اسرائیلیات سے موسوم کیا گیا تو اس کوشش کی مخالفت میں مذکورہ بالا نوع کی احادیث وجود میں آنے لگیں ۔

یہاں تک ہم نے ان احادیث سے بحث کی ہے جنہیں تحریک حدیث کے لئے حجت قرار دیا جاتا ہے ۔ اب ہم ان حدیثوں پر نظر ڈالیں گے جن سے اجماع کے اصل شرعی ہونے پر دلیل لائی جاتی ہے ۔ اس بارے میں امام شافعیرح نے دو حدیثیں پیش کی ہیں ۔ ان کے پیشرو اجماع کے تصور سے ہر گز خالی نہ تھے لیکن ان کے زمانہ تک یہ اصول بالکل فطری طور پر نشو و نما پا رہا تھا ' یعنی شعوری طور پر اس کی حجت لانے کی کوشش اس مرحلہ پر عمل میں نہیں آئی تھی ۔ یہاں تک کہ امام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابو یوسفؒ اور امام محمد الشیبانیؒ بھی بار بار جماعت یا العامہ" کی آراء و روایات کی پابندی کرنے کا ذکر کرتے ھیں - اجماع کی تائید میں کوئی حدیث یعنی رسول اللہ صلعم کی کوئی قولی روایت نہیں پیش کرتے - اس سلسلہ میں امام شافعیؒ نے جو احادیث روایت کی ھیں ان میں سے ایک حدیث تو بعینہ وھی ھے جس کا متن ھم اوپر پیش کر چکے ھیں اور جس کے پہلے حصہ پر، جو حدیث سے متعلق ھے، ھم اوپر بحث کر چکے ھیں - دوسرا حصہ یہ ھے

" ثلاث لایغل علیھن قلب مسلم: اخلاص العمل للہ والنصیحۃ للمسلمین ولزوم جماعتھم فان دعوتھم تحیط من ورائھم " -

(یعنی تین چیزیں ایسی ھیں جن کے بارے میں مسلمان کبھی دل کی تنگی محسوس نہیں کر سکتا : اللہ کے کام کا مخلصانہ جذبہ ، مسلمانوں کی خیر خواھی ، اور جماعت کے ساتھ وابستگی - کیونکہ ان کی دعوت انہیں گمراھی سے محفوظ کر دیتی ھے) - امام شافعیؒ کی دوسری حدیث یہ ھے

أن عمر بن الخطاب خطب الناس بالجابیۃ فقال ان رسول اللہ صلعم قام فینا کمقامی فیکم فقال اکرموا اصحابی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یظھر الکذب حتی ان الرجل لیحلف ولا یستحلف ویشھد ولایستشھد، الا فمن سرّہ حیاۃ الجنۃ فلیلزم الجماعۃ فان الشیطان مع الفذ و ھو من الاثنین أبعد - (۱۴)

[یعنی حضرت عمر رضؓ نے جابیہ کے مقام پر (جو شام میں ایک جگہ کا نام ھے) ایک خطبہ دیا ، جس میں انہوں نے فرمایا ' رسول اللہ صلعم ایکبار ھمارے درمیان کھڑے ھوئے بالکل اسی طرح جیسے اس وقت میں تمھارے درمیان کھڑا ھوں اور آپ نے فرمایا سب سے پہلے میرے صحابہ کی توقیر کرو پھر ان لوگوں کی جو ان کے بعد پھر ان لوگوں کی جو ثانی الذکر کے بعد آئیں اس کے بعد (یعنی ان پشتوں کے بعد) جھوٹ اتنا پھیل جائے گا کہ لوگ قسمیں کھائیں گے بغیر اس کے کہ ان سے قسم کھانے کو کہا جائے اور شہادتیں دینے پر آمادہ ھو جائیں گے حالانکہ کوئی ان سے شہادت دینے کے لئے نہیں کہے گا - سنو ایسے حالات میں جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شخص اپنے لئے جنت میں کوئی کشادہ آرام گاہ چاھے گا اسے جماعت سے وابستہ رھنا چاھئے کیونکہ شیطان اس شخص کا ساتھی ھو جاتا ھے جو (جماعت سے الگ) تن تنہا ھو اور اگر ایک شخص (ایک اور کے ساتھ مل جانے کے سبب سے) دو ھوجائیں تو شیطان اسی نسبت سے ان سے دور ھو جاتا ھے -]

یہ حقیقت کہ فقہائے متقدمین نے اجماع پر اصرار کرنے کے باوجود کبھی اس کی تائید میں کوئی حدیث نہیں پیش کی، بجائے خود اپنے اندر تحریک حدیث کی نوعیت اور اس کی نشو و نما پر ایک معنی خیز تبصرہ ھے- امام شافعی رح کے دور تک صورت حال میں کتنی تبدیلی ھوگئی تھی اس کا ٹھیک اندازہ ایک مثال سے ھوگا- امام ابو یوسف رح احادیث کی کثرت و اشاعت پر مسلمانوں کو متنبہ کرتے ھوئے رسول اللہ صلعم سے روایت کرتے ھیں:

ان الحدیث سیفشوا عنیؐ فما اتاکم عنیؐ یوافق القرآن فھو عنیؐ
وما اتاکم عنیؐ یخالف القرآن فلیس عنیؐ (۱۵)

(یعنی، ایک وقت آئے گا کہ مجھ سے لوگ بکثرت احادیث روایت کرنے لگیں گے تو جو بات میرے نام سے تم تک پہنچے، اگر وہ قرآن کے موافق ھے تو اسے واقعتاً میری کہی ھوئی بات سمجھو اور جو بات قرآن کے مخالف ھو وہ میری کہی ھوئی بات نہیں ھو سکتی)- جیسا کہ ھم اس سے پہلے بتا چکے ھیں اس طرح کی مخالف حدیث، حدیث صحیح نہیں ھوسکتی- لیکن یہ نہ صرف معتزلہ بلکہ فقہائے متقدمین کی طرف سے بھی تحریک حدیث کے خلاف ایک مخلصانہ کوشش تھی- مگر ایک صدی کے اندر اندر یہ تحریک اتنی طاقتور ھوگئی تھی کہ اس حدیث کو جسے امام ابو یوسف رح جیسے لوگ بظاھر صحیح و معتبر سمجھتے تھے امام شافعی رح نے غیر معتبر قرار دیکر مسترد کردیا (۱۶)-

لیکن اب سوال ان دو احادیث کا ھے، جنھیں امام شافعی رح اصل اجماع کے لئے نصؔ اور اس کی حجیت کی سند کے طور پر روایت کرتے ھیں-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان میں پہلی حدیث کے غیر تاریخی ہونے کی وجہ ہم اوپر بیان کرچکے ہیں۔ مزید برآں آگے چلکر ہم بتائیں گے کہ یہ حدیث ایک بڑی زبردست مہم کے نتیجہ کے طور پر وجود میں آئی، جو دوسری صدی ہجری سے شروع ہوکر زمانۂ مابعد تک جاری رہی، اور جس کا مقصد یہ تھا کہ امت کے شیرازہ کو مجتمع رکھا جائے اور اس کی وحدت کی حفاظت کی جائے، نیز درمیانی راہ پر چلنے والی مذہبی اکثریت کی تشکیل کی جائے جو سواد اعظم ہوئے اور مسلک اعتدال پر قائم رہنے کے سبب اصابت دینی کی مستحق قرار پائے۔ جہاں تک امام شافعیؒ کی دوسری حدیث مذکورہ بالا کا تعلق ہے وہ اتنی واضح طور پر پیش گوئی کا انداز رکھتی ہے کہ اس کے متعلق مزید کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے۔ اس حدیث میں پہلی بار باضابطہ طور پر یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے پہلے تین طبقات یعنی صحابہ، تابعین اور تبع تابعین اسلامی عقائد و اعمال کے لئے بمنزلہ سنگ بنیاد کے ہیں اور ان کی تعلیمات امت کے مذہبی نظام کی مستقل اساس کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ امر اپنی جگہ بڑا اہم اور دلچسپ ہے کہ تقریباً ان ہی تین طبقات کے بعد ان کی زندہ سنت نے حدیث کی شکل میں وہ خاص مقام حاصل کرلیا جس کا اس حدیث میں ذکر ہے۔

امام شافعیؒ اجماع کی تائید میں مذکور بالا احادیث روایت کرلے سے قبل ہی اصول اجماع کی حمایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" ونعلم أن عامّتهم لا تجتمع على خلاف لسنّة رسول الله ولا على خطأ ان شاء الله "

(ہمیں معلوم ہے، یعنی اس امر پر یقین ہے، کہ عامۃ المسلمین سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور خطا پر کبھی متفق نہیں ہونگے)۔ امام شافعیؒ کے بعد جب حدیث کی اشاعت اور زیادہ کثرت سے ہونے لگی تو ان کا یہ بیان ایک حدیث بن گیا۔ اور سنن ابن ماجہ میں

ان امتی لا تجتمع علی ضلالۃ۔

جامع ترمذی میں

ان اللہ لا یجمع امتیّ علی ضلالۃ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور مسند امام احمد بن حنبل میں

لن یجمع امتیّ الاّ علیٰ ھدی ۔

کے لفظی رد و بدل کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہوگیا۔ انھی بعد کی صدیوں میں اسی مضمون کی حدیث:

ید اللہ علی الجماعۃ ۔

بہت مشہور ہوئی ۔ اس تصور کو بعض دوسری حدیثوں میں بھی ظاہر کیا گیا ہے (۱۷) ۔ لیکن جیسا کہ ہم نے پچھلے پیرا گراف میں لکھا ہے اجماع کے متعلق جتنی احادیث ہیں ان کے پیش نظر مقصد یہ تھا کہ درمیانی راہ اختیار کرنے والی ایک مذہبی اکثریت پیدا کی جائے ۔

حوالے

۱- امام ابو یوسف: الرد علی سیرالاوزاعی، مطبوعہ حیدرآباد دکن، تاریخ ندارد، ص ۲۱۔

۲- ایضاً - حاشیہ بر ص ۱۷ ۔

۳- ایضاً - ص ۲۱ ۔

۴- ایضاً - ص ۸۵، ۶۱ تا ۶۲، ۶۵، ۷۵ و ۱۳ تا ۱۷ (بہ ترتیب معانی مندرجہ مقالہ) ۔

۵- ایضاً - ص ۱۵، ۸۵ وغیرہ ۔

۶- امام شافعی: کتاب الام، مطبوعہ بولاق، سنہ ۱۳۲۱ھ، ج ۷ ص ۲۱۲ تا ۲۱۳۔

۷- ایضاً - ص ۲۱۲ -

۸- ایضاً - ص ۹۰۶ تا ۹۰۷ ۔

۹- امام شافعی: الرسالۃ، شائع کردہ: احمد محمد شاکر، قاہرہ، سنہ ۱۳۰۹ھ، ص ۴۰۱ تا ۴۰۲ -

۱۰- ایضاً - ص ۴۰۳ تا ۴۰۴ ۔

۱۱- ایضاً - ص ۳۹۷ تا ۳۹۸ -

۱۲- خطیب عمری: مشکوٰۃ المصابیح، مطبوعہ دہلی، سنہ ۱۹۳۲ء، ص ۳۰ و ۳۲ -

۱۳- امام ابو یوسف: الاثار، مطبوعہ قاہرہ، سنہ ۱۳۵۵ھ، حدیث نمبر ۹۵۹ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۴- امام شافعی: الرسالۃ محولہ بالا ۴۷۳ تا ۴۷۴ -

۱۵- امام ابو یوسف: الرد علی سیر الاوزاعی محولہ بالا، ص ۲۵ -

۱۶ - امام شافعی: الرسالۃ محولہ بالا، ص ۲۲۲ -

۱۷- ایضاً - ص ۴۷۲ و سنن ابن ماجہ: ابواب الفتن، باب السواد الاعظم و جامع ترمذی: ابواب الفتن، باب لزوم الجماعۃ و مسند امام احمد بن حنبل مطبع میمنیہ، مصر، سنہ ۱۳۱۳ھ، ج ۵، ص ۱۴۵ -

© rasailojaraid.com